علمائے برصغیر اور مطالعۂ مسیحیت

منشی محمد مہر اللہ

برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سیاسی اثر ورسوخ کا آغاز بنگال سے ہوا۔ یہی خطّہ استعمار مخالف اور احیائے اسلام کی ابتدائی تحریکوں کا مرکز بنا۔ فرائضی تحریک اور سیّد احمد شہید کی تحریکِ جہاد و اصلاح کو بنگال میں جو پذیرائی حاصل ہوئی، اس کے اثرات آج بھی بنگالی معاشرے میں موجود ہیں۔ اگرچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے "تاجر" مقامی آبادیوں کے عقاید و رسومات میں دخل نہ دینا چاہتے تھے، مبادا کہ معاشرتی خلفشار سے ان کے تجارتی مفادات کو زک پہنچے، مگر کمپنی سے وابستہ متعدّد کارکن نہ صرف بنگال بلکہ پورے برصغیر کو حلقۂ مسیحیت میں شامل دیکھنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ اس کے متوازی یورپ میں متعدّد مشنری سوسائٹیاں قائم ہو چکی تھیں جن کے پاس مالی وسائل، افرادی قوّت اور جذبہ کار موجود تھا۔ ان مشنری تنظیموں نے بھی ابتداءً بنگال کو اپنی جولاں گاہ بنایا۔ اگرچہ ولیم کیری اور اُن کے ساتھیوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیرِ انتظام علاقے میں قیام کی اجازت نہ ملی اور وہ ڈنمارک کے زیرِ قبضہ سیرامپور میں مقیم ہوئے۔ وہیں سے بنگال اور برصغیر کے دوسرے علاقوں کے لیے ولیم کیری نے بنیادی تبشیری کام کیا۔ بعد ازاں لارڈ ولزلی کا مذہبی جذبہ ولیم کیری کو فورٹ ولیم کالج لے آیا تھا۔

مسیحی تبشیری سرگرمیوں کے اثرات برصغیر کے دوسرے علاقوں کی نسبت بنگال میں زیادہ تھے۔ راجا رام موہن رائے کے "برہمو سماج" میں مسیحی اثرات بڑے نمایاں تھے۔ برہمو سماج کے زیرِ اثر جدید تعلیم یافتہ ہندو آبادی مسیحیت کے اگر قریب نہیں آرہی تھی تو اس میں "مسیحیت مخالف" جذبہ بھی موجود نہ تھا۔ انیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں جب مسیحی مبشّرین کو کمپنی کے مقبوضات میں کام کرنے کی اجازت مل گئی تو بنگال اُن کا ہدف بن گیا۔ فرانسیسی مؤلف گارساں دتاسی نے ۱۸۷۱ء کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے جرمن مبشّرین کا بالخصوص ذکر کیا ہے، اس کے الفاظ میں [1]

> جرمن مبلّغین بھی ہندوستان میں مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کے کام میں منہمک ہیں۔ ان کا سرگروہ برلن کا پادری گوسنر ہے۔ اس نے کول لوگوں میں مسیحیت کی تبلیغ کی ہے۔ کول لوگ بنگال کے اس ضلع میں آباد ہیں جس کا صدر مقام چھوٹا ناگپور ہے۔ اس وقت اِس علاقہ میں بارہ ہزار تک عیسائی ہیں۔ چونکہ جرمن مبلّغین کا تعلق حاکم قوم

ے نہیں ہے، اس واسطے غالباً دیسی لوگوں میں انہیں زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔

ان حالات میں جن مسلمان اہلِ علم نے مطالعۂ مسیحیت کی طرف توجہ دی اور بنگالی مسلم آبادی میں دعوتِ دین کا کام کیا، ان میں ایک منشی محمد مہر اللہ تھے۔

ولادت

منشی محمد مہر اللہ ۲۶ دسمبر ۱۸۶۱ء کو ضلع جیسور کے ایک گاؤں "گھوپ" میں پیدا ہوئے تھے۔ آج کل اُن کے نام پر اِس گاؤں کو "مہر اللہ نگر" کہا جاتا ہے۔ منشی صاحب کے والد منشی وارث الدین ایک غریب دیندار انسان تھے۔

تعلیم

منشی مہر اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، مگر ابھی لڑکپن کا دور تھا کہ والد کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ منشی وارث الدین کے انتقال پر اُن کا سلسلۂ تعلیم منقطع ہو گیا۔ اپنے ماموں کے ہاں مقیم رہے اور چھ سات سال کے بعد دوبارہ تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا اور اپنی مادری زبان کے ساتھ اُردو عربی اور فارسی زبانوں کے لٹریچر سے استفادہ کی صلاحیت پیدا کر لی۔

ذریعۂ معاش

والد کے انتقال اور گھر کی ذمہ داریوں نے اُنہیں تعلیم کے ساتھ "ہنر" سیکھنے پر مجبور کیا۔ اُنہوں نے درزی کا کام سیکھ لیا اور اس فن میں اُنہوں نے خاصی شہرت حاصل کر لی۔ جیسور شہر کے معززین اُن کی دکان کے مستقل گاہک تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جیسور کا ضلع مجسٹریٹ اُن ہی سے کپڑے سلاتا تھا۔ کئی بار انگریز اہل کاروں کے ساتھ اُن کے کپڑے تیار کرنے دارجلنگ گئے۔ کچھ عرصہ ضلع کچہری میں بطور منشی کام کیا مگر آخر واپس اپنے پیشے میں آ گئے۔

مطالعۂ مسیحیت سے دلچسپی

اُن کی دکان جو جیسور شہر کے وسط میں تھی، کے سامنے مسیحی منادّ کھڑے ہو کر لیکچر دیتے تھے۔ اُنہیں بھی یہ لیکچر اور بعض اوقات حاضرین اور مسیحی منادّوں کے درمیان مکالمہ سننے کا اتفاق ہوتا تھا۔ منشی صاحب نے مسیحی کتابچے پڑھے اور ردِ عمل میں مسلم نقطۂ نظر جاننے کے لیے مناظرانہ کتابیں حاصل کیں۔ اُس دور میں بنگال میں حافظ نعمت اللہ کی کتاب "عیسائی مذہب میں ردّو بدل" (بنگلہ) اور منشی احسان اللہ کی تالیف "انجیل میں حضرت محمد ﷺ کی خبر دی گئی ہے۔" (بنگلہ) کا چرچا تھا۔ منشی محمد مہر اللہ نے ان کتابوں کا مطالعہ کیا اور پادریوں سے بحث مباحثہ شروع کر دیا۔

۱۸۸۶ء تک پہنچتے پہنچتے اُن کے مطالعۂ ادیان کا یہ عالم تھا کہ اسلام اور مسیحیت کے مناظرانہ

پہلوؤں کے ساتھ ساتھ بھگوت گیتا، ویدوں اور اپنشدوں پر اُنہیں خاصا عبور حاصل ہو گیا۔ مسیحی مناّدوں کے جلسوں میں گھس جاتے اور اُن کے سامعین کو پادری صاحبان کی کمزوریوں اور کوتاہیوں سے آگاہ کرتے۔ اس مناظرانہ دور میں یہ طرزِ عمل چنداں بُرا خیال نہ کیا جاتا تھا۔ خود مناّد اور پادری صاحبان حاضرین پر اپنی دھاک بٹھانے کے لیے اُنہیں سوال پُوچھنے کی کھلی دعوت دیتے تھے۔

منشی مہر اللہ کی مناظرانہ دلچسپیاں اور خیاطی پہلو بہ پہلو چل رہی تھیں مگر آخر میں اُنھوں نے درزی کا کام چھوڑ دیا اور پورا وقت لکھنے پڑھنے اور دعوت و تبلیغ کے لیے وقف کر دیا۔

پادری جان ضمیرالدین کا قبولِ اسلام

۱۸۹۲ء میں جیسور کے ایک پادری جان ضمیرالدین نے بنگلہ مسیحی جریدے "عیسائی دوست" میں ایک مضمون لکھا۔ عنوان تھا "اصل قرآن کہاں ہے؟" پادری صاحب نے اسلام اور قرآن کی سطحیت ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ منشی مہر اللہ نے اس کے جواب میں شیخ عبدالرحیم (م ۱۹۳۱ء) کے ہفت روزہ "سدھارکر" میں ایک بسیط مقالہ "مسیحی دھوکے کا ازالہ" لکھا جس میں پادری جان ضمیرالدین کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا جواب دیا۔ جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ چل نکلا۔ آخر ش پادری جان ضمیرالدین پر اپنے نقطۂ نظر کی غلطی واضح ہو گئی اور وہ حلقۂ اسلام میں آ گئے، پادری جان ضمیرالدین سے منشی شیخ ضمیرالدین بن گئے اور منشی مہر اللہ کی سرگرمیوں میں اُن کے ساتھی۔

شیخ ضمیرالدین ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے تھے، مگر مسیحی دعوت سے متاثر ہو کر اپنا دین ترک کر بیٹھے تھے۔ سینٹ پال مدرسہ الٰہیات (سینٹ پال ڈیونٹی کالج) الٰہ آباد میں اُنھوں نے مسیحی تعلیم حاصل کی تھی اور مسیحی حلقوں میں اپنی ذہانت اور مطالعے کے لیے مشہور تھے۔ اُن کے حلقۂ اسلام میں واپس آ جانے سے بعض دوسرے "نو مسیحی" بھی واپس آغوشِ اسلام میں آ گئے۔ منشی ضمیرالدین نے "قبولِ اسلام" (بنگلہ) کے نام سے کتاب لکھی اور باقی عمر اشاعت اسلام میں گزار دی۔ اُن کی چھوٹی بڑی کوئی ایک سو کتابیں یادگار ہیں۔ منشی مہر اللہ نے اُن کی رحلت پر اُن کی سوانح حیات لکھ کر حقِ دوستی ادا کیا۔

تبلیغی اور اصلاحی خدمات

منشی مہر اللہ نے خان بہادر بدرالدین اور خان بہادر نور محمد زکریا کے تعاون سے کلکتہ میں ایک "کُل ہندوستان انجمن اشاعت اسلام" کی بنیاد رکھی۔ منشی محمد مہر اللہ دینی و اصلاحی نقطۂ نظر سے مولانا کرامت علی کے پیروکار تھے۔ حکومت وقت سے ٹکر لینے کے بجائے معاشرتی سدھار پر توجہ دیتے تھے۔ رسمی محفلِ میلاد کی اصلاح اُن کا کارنامہ ہے۔ وہ دیکھتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کے یومِ ولادت پر فارسی مولود نامے پڑھے جاتے تھے جن کا عُشرِ عشیر بھی عوام کے پلے نہ پڑتا تھا۔ اُنھوں نے محفلِ میلاد کے لیے بنگلہ زبان میں نظمیں لکھیں جو نہایت مقبول ہوئیں۔ آج بھی بنگلہ دیش کے دیہات میں منشی

صاحب کی نظمیں ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

نکاح بیوگان کی ترغیب کے لیے منشی صاحب نے مولانا الطاف حسین حالی کی "مناجاتِ بیوہ" کے انداز میں نظمیں لکھیں اور سیّد احمد شہید کی تحریک جہاد و اصلاح کی سپرٹ کو زندہ رکھا۔

منشی صاحب اور اُن کے رفقاء کی دعوت و تبلیغ سے کئی مدارس تعمیر کیے گئے، مساجد تعمیر ہوئیں اور تنظیمیں بنیں۔ جیسور کے گاؤں منوہر پور میں مولانا کرامت علی کے نام پر "مدرسہ کرامتیہ" کی بنیاد رکھی گئی۔ مدرسے کے اخراجات کا بڑا حصّہ منشی صاحب ادا کرتے تھے۔

منشی صاحب کی زندگی میں تقسیمِ بنگال اور اس کے خلاف ہندو آبادی کی سودیشی تحریک ایک بڑا واقعہ تھے۔ وہ تقسیمِ بنگال کو مسلمانوں کے لیے مفید قدم خیال کرتے تھے اور ہندوؤں کے احتجاج سے الگ تھلگ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ

> دونوں ٹانگوں میں سے اگر ایک ٹوٹی ہوئی ہو تو جس طرح چلنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح علم و فن میں پسماندہ مسلمانوں کے لیے سیاسی میدان میں ہندوؤں کا اتباع کرنا لڑکھڑانے کے مترادف ہے۔

منشی صاحب بنگلہ زبان کے اچھے لکھنے والے تھے۔ وہ ہندوادیبوں کی مسلم دشمنی محسوس کر رہے تھے۔ اُنہوں نے کوشش کی کہ بنگلہ زبان کے اسلامی ادب کو آگے بڑھایا جائے۔ اس مقصد کے لیے اُنہوں نے دوسرے اہلِ قلم کی متعدّد کتابیں شائع کیں۔ شیخ فضل الکریم[۲] (م ۱۹۳۷ء) کی سیرت نبوی ﷺ پر کتاب "نجات" (بنگلہ) اور سیّد اسماعیل شیرازی سراجی[۳] کی کتاب "آگ کے شعلے" اُن کی مساعی اور اہتمام سے شائع ہوئی تھی۔

منشی مہر اللہ کی تبلیغی، تعلیمی اور اصلاحی سرگرمیوں کو بنگال میں جس قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا، اس کا اندازہ عبدالرحیم کی تالیف "اخلاق احمدیہ" کی مندرجہ ذیل نظم سے ہو سکتا ہے۔

اُن کا نام منشی مہر اللہ ہے، جیسور اُن کا مکان ہے۔
دُنیا بھر میں اُن کی نیک نامی ہے۔
وہ عابد، زاہد اور خوبیوں کے جامع ہیں۔
اُنہیں ہادی اور دین کا ہتھیار سمجھو۔
وہ ہدایت کے لیے در در پھر رہے ہیں۔
ہندو اور عیسائی اُن کا وعظ سن کر
اپنا سطحی دین چھوڑ کر کلمہ پڑھ رہے ہیں۔
اُن کے ساتھ ایک اور نیکو کار بھی ہیں
جن کا نام منشی شیخ ضمیر الدین ہے۔
جو خوبیوں کا مرکز ہیں۔

وفات

منشی محمد مہر اللہ مسلسل تبلیغی دوروں، اصلاحی کاموں، تصنیف و تالیف میں مصروف رہ کر ۱۹۰۷ء میں فوت ہوئے۔

تصانیف

منشی مہر اللہ نے محتاط اندازے کے مطابق ہزاروں صفحات لکھے۔ بنگلہ زبان کے دینی جرائد میں اُن کے متعدّد مقالات شائع ہوئے۔ اُن کی چند معروف بنگلہ کتابوں کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ مسیحیت کی سطحیت (بنگلہ) سولہ صفحات کا کتابچہ ہے۔ موضوع نام سے واضح ہے۔

۲۔ مہر اسلام (بنگلہ) ۱۸۹۰ء کے بعد شائع ہونے والی اس کتاب کا کچھ حصّہ نثر میں ہے اور کچھ نظم میں۔ مسئلہ توحید پر گفتگو کی گئی ہے۔ ہندو اور مسیحی عقاید پر تنقید ہے۔

۳۔ بیوہ کی مشکلات (بنگلہ) نظم و نثر دونوں سے کام لیا گیا ہے۔ پروفیسر محمد عبداللہ کی رائے میں منشی مہر اللہ نے مولانا حالی کی "مناجات بیوہ" (۱۸۸۴ء) سے متاثر ہو کر لکھی ہے[۴]۔ کتاب میں بعض مقامات پر حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے اخلاقی اصولوں سے تجاوز کیا گیا ہے۔

۴۔ پند نامہ (بنگلہ)

۵۔ ہندو مذہب کے راز (بنگلہ) ۱۹۰۸ء میں چھپنے والی یہ کتاب ہندو مذہب پر تنقید ہے جو مؤلف کی رحلت کے بعد ضبط کر لی گئی۔

۶۔ مسیحیوں اور مسلمانوں کے مناظرے (بنگلہ) مسیحی اعتراضات کا جواب ہے۔

۷۔ تردید مسیحیت اور دلیلِ اسلام (بنگلہ)

حواشی

۱۔ گارساں دتاسی، مقالات، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ص ۱۴۹

۲۔ شیخ فضل الکریم ضلع رنگپور میں ۱۹۳۷ء میں فوت ہوئے۔ وہ نظم و نثر دونوں سے کام لیتے تھے۔ اُن کے ناول اور افسانے خاصے مقبول ہوئے۔ اُن کی شاعری کا کمال "نجات" (بنگلہ) میں نظر آتا ہے۔

۳۔ سیّد اسماعیل شیرازی سراجی پنبہ کے رہنے والے تھے۔ تحریک آزادی میں بڑے فعّال تھے۔ جنگِ بلقان میں ڈاکٹر انصاری کے مشن کے ساتھ ترکی گئے اور ترک مسلمانوں کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ [دیکھیے: انعام الحق، مسلم بنگلہ ادب، کراچی: ادارہ مطبوعاتِ پاکستان]

۴۔ ماہنامہ "سیارہ" (لاہور)، جولائی ۱۹۶۶ء